غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات: استعانت بالمشرکین واعانت المشرکین کا فقہی و شرعی جائزہ

Relations with Non-Muslims: A Jurisprudential and Shariah-based Analysis of Seeking Assistance from and Aiding Polytheists

Sulaiman Kaka Khel
MPhil Scholar in Islamic Studies, University of Malakand
Email: sulaimankakakhel@gmail.com
Dr. Badshah Rehman (Corresponding Author)
Associate Professor in Islamic Studies, University of Malakand
Email: Badshahrehman@uom.edu.pk
Muhammad Usama
MPhil Scholar in Islamic Studies, University of Malakand
Email: usamafahim782@gmail.com

Abstract:
The article explores the complex jurisprudential debate surrounding the concepts of seeking help from polytheists (isti‘ānah bil-mushrikīn) and helping them (‘awānat al-mushrikīn) in light of The Holy Quran and Islamic jurisprudence. The discussion starts with a linguistic and terminological analysis of the words isti‘ānah, ‘awānah, and mushrikīn, followed by relevant Qur’anic verses and Prophetic traditions that form the foundational texts on the topic. This article then categorizes the issue into four key scenarios based on two factors: (1) whether the assistance involves aligning under the flag or authority of the polytheists, and (2) whether it the assistance does not involve aligning under the flag or authority of the polytheists. Then each scenario is analyzed in terms of its permissibility or prohibition, taking into account Islamic legal maxims (qawā‘id fiqhiyyah), principles of public interest (maṣlaḥah), and the historical precedents from the Prophetic era and early Islamic conquests.
Keywords: Islamic Jurisprudence, Relations with non-muslims, Istiʿānah bil-Mushrikīn, ʿAwānat al-Mushrikīn, Fiqh, Qur’an, Hadith

مقدمہ:

اسلام ایک ایسا کامل اور ہمہ جہت ضابطۂ حیات ہے جو انسان کی انفرادی و اجتماعی زندگی کے تمام پہلوؤں پر اپنی راہنمائی عطا کرتا ہے۔ یہ دین نہ صرف عبادات و معاملات بلکہ اخلاقیات، معاشرت، معیشت، سیاست، عدالت، بین الاقوامی تعلقات، حتیٰ کہ انسانی جذبات و احساسات کے نظم تک کے اصول و قوانین متعین کرتا ہے۔ زندگی کا

کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں اسلام کی تعلیمات روشنی فراہم نہ کرتی ہوں۔ چنانچہ اسلام محض ایک مذہبی نظام نہیں بلکہ ایک جامع تہذیبی و عمرانی دستورِ حیات ہے جو انسان کو دنیا و آخرت کی فلاح و کامیابی کے لیے راہِ اعتدال پر گامزن کرتا ہے۔ انہی جامع جہات میں سے ایک نہایت اہم اور نازک جہت غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات کی ہے۔

اسلام چونکہ دینِ فطرت ہے اور اس کا بنیادی اصول یہ ہے کہ لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ یعنی "دین کے معاملے میں کوئی جبر نہیں"، لہٰذا اسلام کسی پر ایمان لانے کے لیے جبر نہیں کرتا۔ ایمان و کفر کا فیصلہ ہر انسان کے اختیار میں رکھا گیا ہے۔ اس بنا پر ایک اسلامی معاشرہ لازماً مختلف عقائد و ادیان والے افراد پر مشتمل ہوگا، جہاں مومن و غیر مومن، مسلمان و غیر مسلم، اہلِ کتاب و غیر اہلِ کتاب سب کسی نہ کسی درجے میں باہمی تعامل رکھتے ہیں۔ ایسے میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسلمان، جنہیں عدل، احسان، رواداری اور خیر خواہی کا حکم دیا گیا ہے، وہ ان غیر مسلم ہم وطنوں، ہمسایوں یا حلیفوں کے ساتھ کس قسم کا تعلق قائم کریں؟ کیا وہ باہمی تعاون (اعانت) اور مدد و نصرت (استعانت) کے کسی درجے میں شریک ہو سکتے ہیں؟ اگر ہو سکتے ہیں تو اس کی شرعی حدود کیا ہیں؟ اور اگر نہیں، تو کن حالات میں اس سے پہلو تہی اور اجتناب لازم ہے؟ اسلام نے اس مسئلے کو بھی محض نظری یا جذباتی بنیادوں پر نہیں چھوڑا بلکہ اس کی واضح تعلیمی، فقہی اور عملی بنیادیں متعین کی ہیں۔ قرآنِ کریم میں جہاں مسلمانوں کو اپنی جماعتی و ایمانی شناخت قائم رکھنے کی تلقین کی گئی ہے، وہیں عدل، انصاف، حسنِ سلوک اور معاہدہ کی پاسداری کی بھی تاکید کی گئی ہے۔ نبی کریم ﷺ کی سیرتِ طیبہ میں غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات کے مختلف عملی نمونے ملتے ہیں، خواہ وہ مدینہ منورہ کا میثاق ہو، غیر مسلم قبائل سے دفاعی معاہدے ہوں، یا جنگ و صلح کے حالات میں غیر مسلموں سے تعاون کی مثالیں۔

زیرِ نظر مضمون میں اسی پہلو کا تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ پیش کیا جائے گا۔ اس میں سب سے پہلے قرآن و سنت کی روشنی میں غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات کی نوعیت کا جائزہ لیا جائے گا۔ اس کے بعد اعانت اور استعانت کے لغوی و اصطلاحی مفاہیم کی توضیح کی جائے گی، پھر فقہاء و محدثین کے اقوال اور سیرتِ نبوی ﷺ کی مثالوں کی بنیاد پر یہ واضح کیا جائے گا کہ غیر مسلموں سے مدد لینا (استعانت بالغیر) یا ان کی مدد کرنا (اعانت الغیر) کن شرائط اور حدود کے ساتھ جائز یا ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ یوں یہ مقالہ عصرِ حاضر کے اس اہم اور حساس موضوع پر ایک متوازن اسلامی نقطۂ نظر پیش کرے گا، جو نہ صرف فقہی و فکری اعتبار سے مفید ہوگا بلکہ بین المذاہب تعلقات کے اسلامی اصولوں کو بھی واضح کرے گا۔

مشرکین سے قطع تعلق قرآن مجید کی روشنی میں:

قرآن پاک اسلامی تعلیمات کا اولین اور بنیادی ماخذ ہے جس میں اللہ تعالی نے زندگی گزارنے اور معاشرت کرنے کے رہنما اصول بیان کیے ہیں، مختلف مقامات پر غیر مسلموں اور مشرکین کے ساتھ دوستی کرنے اور ہمدردی رکھنے سے منع کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی بندہ اپنے محسن حقیقی اللہ تعالی کے احسانات کی بجا آوری نہیں کرتا اور اس کے ساتھ دشمنی کا اظہار کرتا رہتا ہے تو اس سے کیا امید رکھی جاسکتی ہے کہ وہ کسی مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کرے گا، اس لیے جگہ جگہ صراحت کے ساتھ اللہ تعالی نے ان کے ساتھ تعلق رکھنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ قرآنِ مجید میں متعدد مقامات پر مومنین کو غیر مسلموں کے ساتھ مخصوص نوعیت کے تعلقات سے روکنے والے الفاظ آتے ہیں، مثلاً:

[[يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ]][1]

ترجمہ: اے مومنو! یہود و نصاری کو دوست مت بناو۔

اس آیت سے علماء تفسیر نے غیر مسلموں سے دین کی بابت دوستی، مدد اور اتحاد سے احتراز کا حکم اخذ کیا ہے۔ چنانچہ مفسرین اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔

"قال الزجاج: لاتتولوهم في الدين، وقال غيره: لاتستنصروا بهم، ولا تستعينوا، [[بعضهم أولياء بعض]] في العون والنصرة۔[2]"

ترجمہ: دین کے معاملہ میں ان کا ساتھ نہ دو، دیگر فرماتے ہیں: ان کی مدد نہ کرو اور نہ ان سے مدد طلب کرو۔

اسی طرح ایک اور جگہ فرمان باری تعالی ہے:۔

[[لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ -وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّاۤ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً-]][3]

ترجمہ: مومن، مومن کے علاوہ کافر کو دوست نہیں بنائے گا۔ اور جو کوئی ایسا کرے گا تو اس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں مگر یہ کہ تمہیں ان سے کوئی ڈر ہو۔

اس آیت کریمہ میں یہ ضابطہ دیا گیا کہ مومن مومن ہی کو دوست رکھے گا کافر کے ساتھ دوستی نہیں نبھائے گا۔ اگر اس کے باوجود بھی ایسا کرے گا تب ایسی صورت میں سخت وعید آئی ہے، اگرچہ بعد میں ایک صورت کا استثناء کیا گیا ہے کہ اگر جان کے لالے پڑے ہو تو ظاہرا دوستی کی جاسکتی ہے تاکہ جان بچائی جاسکے، لیکن یہ کام بھی عزیمت نہیں بلکہ رخصت ہے۔[4] معلوم ہوا کہ اصل یہ ہے کہ غیر مسلم کے تعلق نہ رکھا جائے۔

اسی مضمون پر مشتمل آیت سورۃ الأنفال میں بھی وارد ہے:

[[وَالَّذِينَ كَفَرُوا بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ]][5]

ترجمہ: کافر ایک دوسرے کے دوست اور ولی ہیں۔

جبکہ اگلی سورۃ میں فرمایا ہے:۔

[[وَاتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ وَلَا رَسُولِهِ وَلَا الْمُؤْمِنِينَ وَلِيجَةً]][6]

ترجمہ: اور بناتے ہیں اللہ تعالی، رسول اللہ اور مومنوں کے علاوہ راز دان۔

جبکہ سورۂ ممتحنہ کی ابتدا میں بھی یہی فرمان ہے:۔

[[يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَ عَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَ قَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ-يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَ اِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْؕ-اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ ﳓ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ﳓ وَ اَنَا اَعْلَمُ بِمَاۤ اَخْفَيْتُمْ وَ مَاۤ اَعْلَنْتُمْؕ-وَ مَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ]][7]

ترجمہ: اے ایمان والو میرے اور اپنے دشمنوں کو رفیق نہ بناؤ تم انہیں پیغام پہنچاتے ہو دوستی سے حالانکہ وہ منکر ہیں اس حق کے جو تمہارے پاس آیا گھر سے جدا کرتے ہیں رسول کو اور تمہیں اس پر کہ تم اپنے رب اللہ پر ایمان لائے اگر تم نکلے ہو میری راہ میں جہاد کرنے اور میری رضا چاہنے کو تو ان سے دوستی نہ کرو تم انہیں خفیہ پیام محبّت کا بھیجتے ہو اور میں خوب جانتا ہوں جو تم چھپاؤ اور جو ظاہر کرو اور تم میں جو ایسا کرے وہ بے شک وہ سیدھی راہ سے بہکا۔

ایمان اور اجتماعی وابستگی (وَلَاء، نُصرت، ایثار) کے ایسے تعلقات جو ایک مسلمان کے مذہبی اور اجتماعی مفادات کے خلاف ہوں، ان سے بچنا لازم ہے۔ کلامِ الٰہی میں لفظِ أَوْلِيَاءَ کا استعمال محض عام دوستی تک محدود نہیں بلکہ ایک ایسی قربت و وابستگی کی طرف اشارہ کرتا ہے جو اخلاقی، سیاسی یا عسکری حمایت میں تبدیل ہو کر مومن کی دینی شناخت یا جماعتی مفادات کو متاثر کرے۔

ان آیات شریفہ سے بالکل واشگاف الفاظ میں واضح ہو گیا کہ کافر مسلمان کا دوست بن ہی نہیں سکتا اور نہ ہی کسی قسم کا خیر خواہ بن سکتا ہے اور اپنے دشمن اور بد خواہ سے دوستی رکھنا اپنے آپ سے دشمنی رکھنے کے مترادف ہے۔ اس لیے حاکم و حکیم ذات نے رہنمائی فرمائی ہے کہ ان لوگوں سے دور رہنے میں ہی بھلائی ہے، اور ان باتوں کے باوصف بھی اگر کوئی ان کی طرف پھینگیں بڑھاتا ہے تو اس کے لیے دنیا و آخرت میں ذلت و رسوائی ہی مقدر ہے۔

وجوہات ترک ولاء:

اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی گروہ یا فرد اللہ اور اس کے پیغام کو تسلیم نہ کرے یا اس میں دشمنی کا عنصر ہو تو ایسے افراد کے ساتھ ایسی قربت ایمان پر اثر انداز ہو سکتی ہے جو بسا اوقات دین سے روگردانی یا اعراض کا باعث

بنے۔ اسی لیے قرآنی حکم کا ایک مقصد مسلمانوں کی ایمانی درستگی و پختگی کو قائم رکھنا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ مومنوں کی جماعت کو ایک مشترکہ حدودِ تعلق اور وفاداری کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ تعلق بحال وبرقرار رکھ سکیں۔ اگر خارجی تعلقات ایسے ہوں کہ جماعتی فیصلے، دفاع یا اصلاح متاثر ہوں تو اس سے اجتماعی کمزوری پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کی ایک اور وجہ حفظِ مفاد ہے، تاریخی حالات میں بعض غیر مسلم قبائل یا قوتیں مسلمانوں کے لیے دشمن ثابت ہوئیں، ان صورتوں میں قریبی اور سیاسی تعاون بذاتِ خود خطرے کا ذریعہ تھا، اسی تناظر میں کئی آیات نازل ہوئیں۔

مشرکین سے قطع تعلق احادیث مبارکہ کی روشنی میں:

قرآنِ پاک کے بعد اسلامی تعلیمات کا دوسرا بنیادی اور معتبر ماخذ احادیثِ نبویہ ﷺ ہیں۔ جس طرح قرآنِ کریم میں مشرکین سے قلبی وابستگی، دینی دوستی اور گہری رفاقت سے ممانعت آئی ہے، اسی طرح رسولِ اکرم ﷺ کے ارشاداتِ مبارکہ میں بھی اس موضوع پر واضح رہنمائی بیان ہوئی ہے۔ متعدد احادیث میں نہ صرف ان کے ساتھ دینی نوعیت کی قربت سے روکا گیا ہے بلکہ ایسے تعلقات رکھنے اور ان سے مدد لینے کی ممانعت بھی وارد ہوئی ہے جن سے مسلمانوں کے دین یا جماعتی مفادات کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔

چنانچہ آپ ﷺ کی بیعت لینے کا واقعہ ذکر کرتے ہوئے ایک صحابی روایت کرتے ہیں:۔

عَن جَرِيرٍ رضي الله عنه قَالَ: بَايَعْتُ رَسُولَ اللَّه ﷺ عَلَى إِقَامِ الصَّلاَةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ، وَالْبَرَاءَةِ مِنَ الْمُشْرِكِ[8]

ترجمہ: حضرت جریرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی کہ نماز قائم رکھوں گا، زکوۃ ادا کروں گا، ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کروں گا، اور مشرک سے بیزاری رکھوں گا۔

اس روایت میں "براءۃ من المشرک" کے الفاظ نہایت بنیادی، اصولی اور واضح ہیں، جو یہ بیان کرتے ہیں کہ ایمان کی تکمیل کے لیے مسلمان کو مشرکین کے دین وعقیدہ سے بیزاری کا اظہار کرنا بھی حد درجہ ضروری ہے۔ یہ بیزاری دل کی وہ کیفیت ہے جو مشرکین کی دینی روش اور عقیدے سے علیحدگی کو ظاہر کرتی ہے۔ یہ چیز اس بات کی دلیل ہے کہ مسلمان اور مشرک کے درمیان قلبی ودینی تعلق کا قائم رہنا درست نہیں، اور اسی بنا پر ان سے دین کے معاملے میں دوستی یا اعتماد کی ممانعت کی گئی۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ کا وہ فرمان بھی اس اصول کو مزید پختہ کرتا ہے جس میں مسلمان کے علاوہ کسی غیر مسلم کو قریبی دوست بنانے سے روکا گیا ہے۔ ارشاد ہے:۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه، عَنِ النَّبِي ﷺ قَالَ: لَا تُصَاحِبْ إِلَّا مُؤْمِنًا، وَلَا يَأْكُلْ طَعَامَكَ إِلَّا تَقِيٌّ[9]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مؤمن کے سوا کسی کو اپنا ساتھی نہ بناؤ، اور تمہارا کھانا صرف پرہیز گار ہی کھائے

یہ حدیث معاشرتی تعلقات کے سلسلے میں نہایت جامع اصول فراہم کرتی ہے۔ "لا تصاحب" کا لفظ یہ بتاتا ہے کہ وہ گہری صحبت اور دائمی رفاقت صرف مومن ہی کے ساتھ ہونی چاہیے، کیونکہ صحبت انسان کے اخلاق، کردار اور دین پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اسی طرح کھانا کھلانے کو بھی خصوصی تعلق کی علامت قرار دے کر یہ واضح کیا گیا کہ ایسا تعلق بھی نیک لوگوں کے ساتھ ہونا چاہیے، نہ کہ ایسے لوگوں کے ساتھ جو دین اور عقیدہ کے مخالف ہوں۔

اسی طرح آیات مبارکہ کی طرح احادیث میں بھی کفار کو ولی اور رفیق بنانے سے منع کیا گیا، چنانچہ ارشاد ہے:۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ رضي الله عنه، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَا تَتَّخِذُوا الْكُفَّارَ أَوْلِيَاءَ دُونَ الْمُؤْمِنِينَ[10]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمانوں کو چھوڑ کر کفار کو اپنا ولی نہ بناؤ۔

ان تمام احادیثِ مبارکہ سے مجموعی طور پر یہی اصول واضح ہوتا ہے کہ مشرکین اور کفار کے ساتھ وہ تعلق نہ رکھا جائے جو دینی یا اعتقادی نوعیت کا ہو، یا ایسی محبت و قربت جس میں اعتماد، رفاقت اور دلی میلان شامل ہو۔ رسولِ اکرم ﷺ نے مومنین کو اس سے روکا تاکہ ان کا ایمان محفوظ رہے، ان کی دینی شناخت متاثر نہ ہو اور ان کے اجتماعی مفادات محفوظ رہیں۔

مشرکین سے تعلق قائم رکھنے کی گنجائش:

ان تمام مذکورہ آیات وروایات سے بالکل واضح ہوتا ہے کہ کافر کو دوست نہیں رکھا جاسکتا، ان کے ساتھ کسی بھی قسم کا ایسا گہرا دلی یا اعتقادی تعلق روا نہیں رکھا جاسکتا جو "ولایت" کے درجے تک پہنچے، اور بظاہر یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کو ہمہ وقت ان کا بائیکاٹ کرتے رہنا چاہیے اور ان سے تعلق قطع کرنا چاہیے۔ لیکن بعض آیاتِ کریمہ، ارشاداتِ نبویہ ﷺ، تعاملِ صحابہؓ، طریقۂ اسلاف اور عادل اسلامی حکومتوں کے رویوں سے مترشح ہوتا ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات رکھے جاسکتے ہیں، بلکہ بعض مواقع پر نہ صرف گنجائش ہے بلکہ حسنِ سلوک اور انصاف سے معاملہ کرنا مطلوب ہے۔

یہاں تک کہ مسلمان نے ان کے ساتھ وہ رویہ روا رکھا کرتے تھے جس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ اس کی ایک روشن مثال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت کا واقعہ ہے کہ ایک بار ایک بوڑھا نابینا بھیک مانگ رہا تھا، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ایک یہودی ہے جسے معاشی ضرورت اور ضعفِ پیری نے بھیک مانگنے پر مجبور کیا ہے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فوراً اس کا وظیفہ جاری کر کے فرمایا کہ ہم اس صورت میں انصاف پسند نہیں ہوسکتے کہ ان لوگوں کی جوانی کی محنت (جزیہ) کھائیں اور بڑھاپے میں ان کو بھیک کی ذلت کے لیے چھوڑ دیں۔[11] اس واقعہ سے واضح ہوتا ہے کہ اسلامی حکومت کی ذمہ داری صرف مسلمانوں کے ساتھ نہیں بلکہ رعایا کے ہر فرد کے ساتھ عدل و

احسان کا معاملہ کرنا ہے۔ اسی طرح خراج کی وصولیابی میں بھی مسلمان حکام و امراء حد درجہ نرمی اور سہولت سے کام لیا کرتے تھے تاکہ غیر مسلموں کو مسلمانوں سے کسی قسم کی بے جا تکلیف نہ پہنچے۔[12] یہ طرزِ عمل اس حقیقت کا اظہار تھا کہ اسلام نے غیر مسلم رعایا کو عدل، امن اور بنیادی انسانی حقوق کے معاملے میں مکمل تحفظ دیا ہے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ غیر مسلموں سے تعلق رکھنے کی گنجائش ہے جس کی طرف سورۃ الممتحنہ میں اللہ تعالی نے اشارہ فرمایا ہے اور ان کی دو قسمیں بنائی ہے: ایک وہ جنہوں نے مسلمانوں پر مظالم ڈھائے تھے اور گھروں سے نکالا تھا اور دوسرے وہ جنہوں نے اس طرح کا اقدام نہیں کیا تھا۔ تو اللہ تعالی نے دونوں کا الگ الگ حکم بیان فرمایا، چنانچہ ارشاد ہے:۔

[[لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ لَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ‌ؕ-اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ(8)اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ اَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَ ظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ‌ۚ-وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ]][13]

ترجمہ: اللہ تمہیں ان لوگوں سے احسان سے منع نہیں کرتا جنہوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی نہیں کی اور نہ تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا، بیشک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔ اللہ تمہیں صرف ان لوگوں سے دوستی کرنے سے منع کرتا ہے جو تم سے دین میں لڑے اور انہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے پر مدد کی اور جو ان سے دوستی کرے تو وہی ظالم ہیں۔

یہ آیت اس حقیقت کی روشن دلیل ہے کہ اسلام میں "تعلقات" اور "ولایت" میں فرق رکھا گیا ہے۔ جو غیر مسلم مسلمانوں سے برسرِ پیکار نہیں، اس کے ساتھ احسان، انصاف، حسنِ معاشرت اور روزمرہ کا تعلق رکھا جاسکتا ہے۔ اور جو دشمنی پر قائم ہو، اس کے ساتھ دلی دوستی اور سیاسی یا فوجی تعاون ممنوع ہے۔ یہی فرق نہ سمجھنے سے بہت سے مفاہیم میں خلط ملط پیدا ہوتا ہے۔ قرآن نے یہاں اس تقسیم کو نہایت واضح کر دیا ہے۔

نبی کریم ﷺ کی احادیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ فی نفسہ تعلق رکھا جاسکتا ہے۔ چنانچہ غزوہ خیبر کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے بعض یہودیوں کو باری باری ذمہ داریاں سونپیں اور خیبر کے بعد ان سے بعض معاہدات کیے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جب سیاسی یا معاشی مصلحت ہو، یا کسی معاملے میں معاہدہ عوام و ملک کے فائدے میں ہو، تو غیر مسلموں سے معاملہ اور تعاون ہو سکتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کی احادیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ فی نفسہ تعلق رکھا جاسکتا ہے چنانچہ غزوہ خیبر کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے بعض یہودیوں کو باری باری ذمہ داریاں سونپیں اور خیبر کے بعد ان سے بعض معاہدات کیے۔[14] اسی طرح صلح حدیبیہ میں رسول اللہ ﷺ نے مشرک قریش سے ایک معاہدہ کیا جس میں بعض شرائط مسلمانوں کے

خلاف دکھائی دیتی تھیں، لیکن حکمت عملی کے تحت قبول کی گئیں۔ غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک اور اچھے تعلق کی مثال فتح مکہ کا موقع ہے کہ اپنے ان دشمنوں کو اذھبوا فانتم الطلقاء[15] کہا۔

تعلق رکھنے کی چار صورتیں:

ائمہ دین اور علما کرام نے قرآن وسنت کی ان ہی تعلیمات کے پیش نظر غیر مسلموں کے ساتھ تعلق رکھنے کے خدوخال واضح کیے ہیں اور اس کی چار صورتیں قرار دیئے ہیں: موالات، مواسات، مدارات اور معاملات۔ یہ تقسیم اسلامی فقہ وکلام میں نہایت بنیادی حیثیت رکھتی ہے، کیونکہ انہی اقسام کے ذریعے یہ معلوم ہوتا ہے کہ غیر مسلم کے ساتھ تعلق کی کس حد تک اجازت ہے اور کس مقام پر سخت ممانعت ہے۔

ا:۔ موالات:

موالات کا لغوی معنی ہے: قلبی محبت، دلی قربت، باطنی دوستی اور خیر خواہی وراز داری کا رشتہ۔ ظاہر ہے کہ یہ مسلمان کی شان کے خلاف ہے کہ وہ کسی غیر مسلم کے ساتھ قلبی مودّت رکھے، جو "الولاء والبراء" کے اصول کی نفی کرتی ہو۔ چنانچہ علمائے تفسیر نے "ولا تتخذوا الیهود والنصاری أولیاء" جیسی آیات میں "موالات" کی اسی ممانعت کو بنیاد بنایا ہے۔ یعنی اس سے مراد یہی تعلق تھا کہ غیر مسلموں کے ساتھ راز داری اور خیر خواہی کا معاملہ نہ رکھا جائے کیوں کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے دشمن ہے، ایسا تعلق رکھنا ناجائز ہے۔[16]

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ موالات کی ممانعت کا مطلب یہ نہیں کہ ان کے ساتھ ہر قسم کا تعلق ناجائز ہے، بلکہ اس سے مراد وہ خصوصی دلی وابستگی ہے جو صرف اہلِ ایمان کے ساتھ ہونی چاہیے۔

۲: مواسات:

مواسات کا معنی خیر خواہی اور نفع رسانی کے ہے، علامہ مناویؒ لکھتے ہیں: المواساۃ: مشارکة نحو الأصدقاء والأقارب فیما بیده من نحو مال، ذکره العضد[17] (مواسات یہ ہے کہ دوستوں اور اقارب کی طرح کسی کو اپنے مال یا وسائل میں شریک کرنا، اس کے ساتھ ہمدردی کا معاملہ کرنا)۔ اہل حرب—یعنی وہ غیر مسلم جو مسلمانوں سے برسرِ پیکار ہوں—کے علاوہ دیگر غیر مسلموں کے ساتھ یہ تعلق رکھا جاسکتا ہے، اسی طرف سورۃ الممتحنہ میں صراحت کی گئی ہے کہ جو آپ سے لڑائی نہیں کرتے اور نہ آپ کو گھروں سے نکالتے ہیں، ان کے ساتھ احسان اور عدل وانصاف سے پیش آیا جاسکتا ہے۔

پس معلوم ہوا کہ مواسات بنیادی انسانی اخلاق کا حصہ ہے اور اسلام نے اسے مطلقاً منع نہیں کیا بلکہ ظالم اور محارب غیر مسلموں کو اس دائرے سے خارج رکھا ہے۔

۳: مدارات:

مدارات کا مطلب یہ ہے کسی کے ساتھ ظاہری خوش اخلاقی، نرم گفتاری، حسنِ سلوک اور خوش روئی سے پیش آنا۔ یہ ہر کافر کے ساتھ جائز ہے، چاہے وہ اہل ذمہ ہو یا عام غیر مسلم، بشرطیکہ اس کا مقصد ایک شرعی مصلحت ہو—مثلاً: جبکہ اس کا مقصد یہ ہو کہ وہ کافر دین کی طرف مائل ہو جائے یا اس کے ضرر سے اپنے آپ کو بچائے، یا کسی سماجی ضرورت کے تحت صلح جو رویہ اختیار کیا جائے۔ اس لیے اس کو موالات کے دائرے سے باہر رکھا گیا، کیونکہ مدارات میں دلی محبت نہیں بلکہ ظاہری حکمت اور اخلاقی مصلحت کار فرما ہوتی ہے۔[18] چنانچہ نبی کریم ﷺ نے بھی متعدد مواقع پر کفار کے ساتھ مدارات کا معاملہ فرمایا، جیسا کہ فتح مکہ کے بعد قریش کے ساتھ نرم معاملہ یا یہودیوں سے بوقتِ ضرورت نرمی۔

۴: معاملات:

لین دین، تجارت، کرایہ داری، اجارہ، خرید و فروخت وغیرہ کو معاملات کہتے ہیں۔ یہ بھی کفار کے ساتھ کیا جاسکتا ہے بشرط یہ کہ اس سے مسلمانوں کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو ورنہ جائز نہیں۔ اگر اس سے دشمن کو طاقت پہنچتی ہو یا مسلمانوں کی کمزوری لازم آتی ہو تو پھر یہ بھی جائز نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حربیین—یعنی مسلمانوں کے ساتھ لڑنے والے کفار—کفار کے ساتھ اسلحہ کی تجارت نہیں کی جاسکتی۔ چناں چہ ہدایہ میں ہے:

لا ينبغي أن يباع السلاح من أهل الحرب ولا يجهز إليهم؛ لأن النبي ﷺ نهى عن بيع السلاح من أهل الحرب وحمله إليهم، ولأن فيه تقويتهم على قتال المسلمين، فيمنع من ذلك۔[19]

ترجمہ: مسلمانوں کے لیے اہل حرب کفار کو اسلحہ بیچنا اور تجارت کرنا جائز نہیں ہے کیوں کہ نبی کریم ﷺ نے اہل حرب کو اسلحہ فروخت کرنے اور ان کے ساتھ تجارت کرنے سے منع فرمایا ہے، اور (دوسری وجہ یہ ہے کہ) اس میں کفار کا مسلمانوں پر طاقتور ہونا لازم آتا ہے۔ پس اس سے منع فرمایا گیا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ قلبی تعلق اور دلی محبت کسی بھی کافر کے ساتھ جائز نہیں کیونکہ یہ "موالاۃ" کے دائرے میں آتا ہے۔ تاہم بقدر ضرورت اور بوقت ضرورت ان کے ساتھ تعلق رکھا جاسکتا، جیسا کہ شریعت مطہرہ کا اصل اور قاعدہ ہے: الضرورۃ تتقدر بقدر الضرورۃ[20]، یعنی ضرورت کا حکم ضرورت کے مقدار سے بڑھ کر نہیں ہوتا۔ اور یہ ضرورت موالات کے علاوہ باقی تین اقسام—مواسات، مدارات اور معاملات—میں موجود ہے، اس لیے شریعت نے ان کی گنجائش رکھی ہے۔

اعانت واستعانت کی لغوی تحقیق:

اعانت اور استعانت کا اصل مادہ "عون" ہے جس کا لغوی معنی ہے مدد کرنا مدد کرنا، سہارا دینا، طاقت پہنچانا۔ عربی لغت میں "عون" کو قوت، امداد اور نصرت کے معنی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ جب کوئی مادہ ثلاثی مجرد سے ثلاثی مزید فیہ میں منتقل ہو جائے تو اس کی خصوصیات میں فرق پیدا ہو جاتا ہے، اور معنی میں اضافہ (زیادتِ مبنی بر زیادتِ معنی) کا اصول کارفرما ہوتا ہے۔ "عون" جب باب افعال میں چلا گیا تو "اعانت" بن گیا، تب اس میں تعدیہ کی خاصیت پیدا ہوئی[21]، یعنی دوسروں کی مدد کرنا۔ یعنی دوسروں کی مدد کرنا، عرب کہتے ہیں؛ أعانه على الشيء؛ ساعده۔ یعنی اس نے فلاں کام میں اس کی مدد کی، اس کی تائید کی، اسے سہارا دیا۔ اسی طرح جب یہ الفاظ باب استفعال میں گئے اور "استعانت" بن گیا تو اس میں طلب اور سوال کی خاصیت پیدا ہو گئی[22]، لہٰذا اس کا معنی ہوا؛ طلب الإعانة عن الغير[23] (کسی سے مدد طلب کرنا، مدد مانگنا)۔ استعانت لغوی اعتبار سے لازم اور متعدی دونوں طور پر استعمال ہوتا ہے۔ جب لازمی ہو تب اسے صلہ "با" سے متعدی کیا جاتا ہے۔ مثالیں ملاحظہ ہوں: استعان فلان فلانا، فلاں نے فلاں سے مدد طلب کی۔ استعان فلان بفلان طلب منه العون، اس نے اس سے مدد لی یا مدد چاہی۔[24] یہ استعمالات عربی کلام کے معروف اسالیب میں سے ہیں اور قرآن وحدیث میں بھی متعدد مقامات پر وارد ہوئے ہیں۔

اعانت اور استعانت میں فرق:

۱:۔ اعانت افعال سے ہے جبکہ استعانت استفعال سے ہے۔

یعنی اعانت "إعانة" (باب افعال) سے ماخوذ ہے جبکہ استعانت "استعانة" (باب استفعال) سے مشتق ہے۔ صرفی اعتبار سے دونوں کے معانی کا فرق انہی ابواب کے خاصیات کی بنا پر پیدا ہوتا ہے۔

۲:۔ لغوی اعانت کا مطلب ہے دوسروں کا مددگار بننا اور استعانت کا مفہوم دوسروں سے مدد کا خواستگار ہونا۔

پہلی صورت میں فاعل "مدد دینے والا" ہوتا ہے، دوسری میں "مدد طلب کرنے والا"۔ اس فرق کی وجہ سے احکامِ شرعیہ میں دونوں کے احکامات بھی مختلف قرار دیے گئے ہیں۔

۳:۔ اعانت عرفاً اور شرعاً مستحسن ہوتا ہے جبکہ استعانت میں اصل یہ ہے کہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ سے طلب کیا جائے جس طرح قرآن پاک میں ہے: [[إیاک نستعین]] یعنی ہم صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں[25]۔ تاہم مجازاً اور ماتحت الاسباب مخلوق سے بھی مدد لی جاتی ہے، جیسے روزمرہ کے معاملات، تعاون، یا کسی کام کی انجام دہی میں انسانی مدد طلب کرنا۔ یہ استعانت "استعانت بالاسباب" کہلاتی ہے جس کی شریعت میں اجازت ہے بشرطیکہ اس میں کوئی شرکیہ مفہوم نہ پایا جائے۔

۴: اعانت متعدی ہوتا ہے جبکہ استعانت لازمی و متعدی دونوں طرح مستعمل ہوتا ہے[26]۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اعانت کا تعلق براہِ راست "مدد دینے" کے فعل سے ہے، جب کہ استعانت کے استعمال میں کبھی "با" کے ذریعے توسّط آتا ہے اور کبھی براہِ راست متعدی ہو کر مدد طلب کرنے کا معنی پیدا ہوتا ہے۔

اعانت اور استعانت کی فقہی صورتیں:

مذکورہ بالا آیات واحادیث سے فقہا کرام نے اعانت اور استعانت (تعاون کرنے اور مدد لینے) کی مختلف شکلیں بنائی ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ حالتِ جنگ یا سیاسی تحاریک میں مشرکین اور غیر مسلموں کے ساتھ شرکت کرنے اور نہ کرنے کا شریعت کی طرف کا کیا حکم صادر ہوتا ہے۔ یہ فقہی تقسیم دراصل مصالح و مفاسد اور قوت و ضعف کے اصول پر مبنی ہے، کیونکہ شریعت کے احکام میں اصل یہ ہے کہ جس سے دین یا مسلمانوں کو قوت پہنچے وہ مطلوب ہے، اور جس سے نقصان پہنچے وہ ممنوع ہے۔

مجموعی طور پر اس کی چار صورتیں بنائی گئی ہیں۔ لیکن بنیادی طور پر اس کی دو صورتیں ہیں:

ا:۔ مسلمانوں کا غلبہ و حکومت ہو۔

۲: مسلمانوں کا غلبہ و حکومت نہ ہو۔

پھر ہر ایک کے ذیل میں دو دو صورتیں ہیں، جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:۔

چار صورتیں:

صورت 1: مسلمانوں کا غلبہ و حکومت ہو اور مشرکین، مسلمانوں کے ساتھ ان کے جھنڈے تلے مل کر لڑے۔

صورت 2: مسلمانوں کا غلبہ ہو اور مشرکین ان کے ساتھ مل کر لڑے لیکن ان کی اپنی خود مختار حیثیت ہو۔

صورت 3: مشرکین کا غلبہ ہو اور ان کے ساتھ مل کر لڑا جائے اور مسلمانوں کو اس میں فائدہ ہو۔

صورت 4: مشرکین کا غلبہ ہو اور ان کے ساتھ مل کر لڑا جائے اور مسلمانوں کو اس میں فائدہ بھی نہ ہو۔

اجمالی حکم:

پہلی اور تیسری صورت جائز ہے جبکہ دوسری اور چوتھی صورت ناجائز ہے، دوسری صورت میں مسلمانوں کو ضرر پہنچانے اور بغاوت کرنے کا اندیشہ ہے جبکہ چوتھی صورت میں مسلمانوں کا کوئی فائدہ ہی نہیں تو لایعنی میں مشغولیت ہے اور ممکن ہے کہ مسلمانوں کو ضرر پہنچائے اور شریعت کا زرین اصول ہے: الضرر یزال[27]۔ (ضرر زائل کیا جائے گا) یعنی پہلے اس سے کہ ضرر پہنچائی جائے اسے زائل دفع کیا جائے گا۔

صورت اول:

اس صورت میں فقہا نے تصریح کی ہے کہ مشرکین کی شرکت اس وقت درست ہے جب فیصلہ اور کنٹرول مسلمانوں کے ہاتھ میں ہو۔ اس کی وجہ یہ بتائی کہ اس صورت میں غیر مسلم جنگی قوت تو فراہم کرتے ہیں مگر فیصلہ سازی، نظم وضبط اور غلبہ کی حیثیت مسلمانوں کی ہوتی ہے۔ جب مسلمان غالب ہو اور حکومت میں ہو، تب اگر غیر مسلم ان کے پرچم تلے لڑے تو یہ جائز ہے، چنانچہ فقہ کی مایہ ناز تصنیف "السیر الکبیر" میں ہے:۔

ولا بأس بأن يستعين المسلمون بأهل الشرک على أهل الشرک إذا كان حكم الاسلام هو الظاهر عليهم، لأن رسول الله، صلى الله عليه وآله سلم، استعان بيهود بني قينقاع على بني قريظة [28]... فعرفنا أنه لابأس بالاستعانة بهم وما ذلک لانظير الاستعانة بالكلاب على قتال المشركين وإلى ذلک أشار رسول الله ﷺ بقوله أن الله تعالى ليؤيّد هذا الدين بأقوام لاخلاق لهم في الآخرة۔[29]

ترجمہ: "جب اسلام کا غلبہ ہو تو مسلمانوں کا مشرکین سے مشرکین کے مقابلے میں امداد لینے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی قریظہ کے مقابلے میں بنی قینقاع کے یہود سے مدد لی تھی۔...پس معلوم ہوا کہ مشرکین سے امداد لینے میں حرج نہیں اور یہ بالکل مشرکین کے مقابلہ میں کتّوں سے امداد لینے کی نظیر ہے اور اس کی طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد میں اشارہ فرمایا ہے۔ واقعی اللہ تعالی اس دین کی تائید ایسے لوگوں سے کراتا ہے جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔"

اس پر امام سرخسی، امام محمد اور امام ابویوسف نے بھی اتفاق کیا کہ تحت رایۃ المسلمین لڑنے والا غیر مسلم اسلامی نظام کے تابع ہوتا ہے، لہٰذا اس سے مدد لینے میں شرعی قباحت نہیں۔

مزید یہ کہ روایت: إن الله ليؤيد هذا الدين بالرجل الفاجر [30] بھی اسی اصول پر دلالت کرتی ہے کہ کبھی کبھی اللہ تعالیٰ اسلام کی مدد ایسے لوگوں سے بھی کرا دیتا ہے جو ایمان نہیں رکھتے۔

صورت ثانی:

دوسری صورت یہ تھی کہ مسلمانوں کا غلبہ ہو لیکن مشرکین مسلمانوں کے جھنڈے تلے نہ ہو بلکہ وہ خود مختار حیثیت سے لڑ رہے ہو۔ جیسا کہ غزوہ احد میں نبی کریم ﷺ نے ایک یہود قبیلہ کے بارہ میں فرمایا تھا کہ اَنّا لا نستعین بمن لیس علی دیننا، ہم بے دین لوگوں سے مدد نہیں لینا چاہتے۔ چنانچہ السیر الکبیر میں فرماتے ہیں:۔

والذي روي أن النبي صلى الله عليه وسلم، يوم أحد رأى كتيبة حسناء، قال: من هؤلاء؟ فقال: يهود بني فلان، حلفاء ابن أبي، فقال: ((إنّا لا نستعين بمن ليس على ديننا)) تأويله أنهم كانوا أهل

منعة، وكانوا لا يقاتلون تحت رأية رسول الله، صلى الله عليه وآله وسلم، وعندنا إذا كانوا بهذه الصفة فإنه يكره الاستعانة بهم[31].

ترجمہ:۔"اور جو یہ روایت کی گئی ہے کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم احد میں کسی اچھی فوج کو دیکھ کر فرمایا کون ہیں یہ لوگ؟ تو کہا گیا فلاں قبیلہ کے یہودی ہیں، عبد اللہ بن ابی منافق کے حلیف۔ تو فرمایا کہ ہم ان لوگوں سے جو ہمارے دین کے تابع نہ ہو امداد نہیں لیتے۔ تو اس کی تاویل یہ ہے کہ یہ لوگ طاقت والے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے لڑنا نہیں چاہتے تھے اور ہمارے مذہب میں جب مشرکین کی حالت یہ ہو تو ان سے امداد لینا مکروہ ہے۔"

فقہا نے یہاں علت یہ بیان کی کہ ان کی خود مختار حیثیت مسلمانوں کے لیے خطرہ بن سکتی ہے کیونکہ وہ کسی وقت بھی رخ بدل کر مسلمانوں کے خلاف کھڑے ہو سکتے ہیں، یا اپنی جنگی طاقت کو مسلمانوں کے مقابل ایک مستقبل خطرہ بنا سکتے ہیں، اور سب سے اہم یہ کہ جنگ کی قیادت مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل سکتی ہے۔ اسی لیے اس مدد کو مکروہِ تحریمی قرار دیا گیا ہے۔

صورت ثالث

تیسری صورت یہ ذکر کی گئی کہ مشرکین غالب ہو اور مسلمان ان کی مدد کرے اور اس میں مسلمانوں کا فائدہ بھی ہو، یہ بھی جائز ہے۔ ظاہری بات ہے اگر اس صورت میں مسلمان ساتھ نہیں دیتے تو مشرکین ان کی طرف لڑائی کا رخ موڑیں گے اور اپنے طاقت کے بل بوتے مسلمانوں کو کچل دیں گے۔ ہجرتِ حبشہ کے موقع پر حبشہ پر دشمن حملہ آور ہوا تو مسلمانوں نے نجاشی حبشہ کی فوج میں رہ کر شرکت کی تھی۔ سیر کبیر میں ہے:

ثم ذكر حديث الزبير، رضي الله تعالى عنه، حين كان عند النجاشي فنزل به عدوه فأبلى يومئذ مع النجاشي بلاء حسنا، فكان للزبير عند النجاشي بها منزلة حسنة، فبظاهر بذا الحديث يستدل من يجوّز قتالَ المشركين مع المشركين تحت رأيتهم۔[32]

ترجمہ:۔"پھر زبیر رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث ذکر کی گئی جب کہ وہ نجاشی بادشاہ حبشہ کے پاس تھے تو آپہنچا اس پر اس کا دشمن تو زبیرؓ نے نجاشی کی اعانت میں زبردست طاقت آزمائی کی سو اسی وجہ سے نجاشی کے یہاں زبیرؓ کی بڑی قدر تھی۔ تو جو لوگ مسلمانوں کا لڑنا مشرکین کے ساتھ مل کر ان کے جھنڈے تلے جائز سمجھتے ہیں اس حدیث کے ظاہر سے استدلال کرتے ہیں۔"

اگر مسلمان مدد نہ دیتے تو مستقبل میں نجاشی کی حکومت کے کمزور ہونے سے خود مسلمانوں کی جان و مال خطرے میں پڑ جاتی۔ مسلمان نجاشی کے زیرِ تحفظ تھے، اور اس کا اقتدار کمزور پڑنے کی صورت میں مسلمان بھی نشانہ بنتے۔ اس لیے اسے دفعِ ضرر اور سیاسی حکمت کے اصول کے تحت جائز قرار دیا گیا۔

صورت رابع

چوتھی صورت یہ تھی کہ مشرکین غالب ہو اور مسلمانوں کا لڑنے میں کوئی فائدہ بھی نہ ہو، تب مشرکین کی مدد و اعانت کرنا جائز نہیں، کیوں کہ دونوں مشرک و کافر اور عدو اللہ و عدو الرسول ﷺ ہیں، اسی لیے انہیں آپس میں نبرد آزما ہونے دے تاکہ وہ آپس میں الجھے رہے اور مسلمان ان کے مظالم سے مامون و محفوظ رہے، السیر الکبیر میں وارد ہے:۔

قال: لا ينبغي للمسلمين أن يقاتلوا أهل الشرك مع أهل الشرك. لأن الفئتين حزبُ الشيطان، وحزب الشيطان هم الخاسرون، فلا ينبغي للمسلم أن ينضم إلى إحدى الفئتين فيكثر سوادهم ويقاتل دفعا عنهم، وهذا لإن حكم الشرك هو الظاهر، والمسلم إنما يقاتل لنصرة أهل الحق، لا لإظهار حكم الشرك۔[33]

ترجمہ:۔ "مسلمانوں کو یہ مناسب نہیں کہ مشرکین کا ساتھ دے کر مشرکین سے لڑیں دونوں شیطانی جماعتیں ہیں اور شیطانی جماعت ہی خاسر رہتی ہے تو مسلمان کو شایان شان نہیں کہ ان دونوں شیطانی جماعتوں میں سے کسی سے مل کر اس کی جماعت بڑھائے کیونکہ شرک کا حکم ہی یہاں غالب ہے اور مسلمان تو لڑتا ہے اہل حق کی نصرت کے واسطے نہ کہ شرک کے حکم کو غالب کرنے کے واسطے۔"

کیونکہ مسلمان کسی ایسے نظام کی تقویت کا سبب نہیں بن سکتا جس کا مقصد باطل کی ترویج ہو۔ نہ ہی وہ ایسا اقدام کرے جس میں اسلامی مفاد کا مکمل فقدان ہو۔ اس صورت میں جنگ کا نتیجہ مسلمانوں کے لیے فائدہ مند نہیں بلکہ نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اسے حرام اور ممنوع قرار دیا گیا۔

خلاصہ بحث

غیر مسلموں کے ساتھ قلبی علاقہ قائم رکھنے سے اسلام نے سختی سے منع کیا ہے، تاہم ضرورت کے پیشِ نظر استعانت اور اعانت بالمشرکین کی گنجائش دی گئی ہے۔ اسلام ایک معتدل راہ سکھاتا ہے؛ نہ مکمل روگردانی کا حکم دیا ہے کہ کاروبارِ زندگی ہی مفلوج ہو جائے، اور نہ اندھی اطاعت کی ترغیب دی گئی ہے کہ ایمانی تشخص متاثر ہو۔ بلکہ حکمت، عزتِ ایمانی اور مصالحِ عمومی کو سامنے رکھ کر جہاں ضرورت تھی وہاں تعلق کی گنجائش رکھی گئی ہے۔

اس لیے (مسلمانوں اور غیر مسلموں کے) مخلوط معاشرہ میں ان کی باہم تحاریک میں حصہ لینے اور ایک دوسرے کو مدد فراہم کرنے کی پاداش میں انہیں موردِ الزام ٹھہرانا درست نہیں، بلکہ شریعت کے حکم کو سامنے رکھنا چاہیے۔ اسلام نے جو گنجائش دی ہے، اسے خواہ مخواہ سلب کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے؛ کیونکہ ایسا کرنا خود اسلامی اعتدال کے منہج سے انحراف کے مترادف ہے۔

مصادر و مآخذ

1. ابن الحاجب، عثمان بن عمر، المقدمة في التصريف المعروف بـ"الشافية"، مطبع: مکتبہ حقانیہ، پشاور
2. المناوی، العلامة عبد الروف بن المناوي، التوقيف على مهمات التعريف، طبعه: عالم الكتب قاهرة، سنة الطباعة: ١٩٩٠م
3. معجم الوسيط (لجنة العلماء)
4. الفيروز آبادي، مجد الدين أبو طاهر محمد بن يعقوب، القاموس المحيط، باب النون فصل العين، مطبعة: دار المأمون مصر، سنة: ١٩٣٨م
5. العلامة ابن الجوزي، عبد الرحمن بن علي بن الجوزي، زاد المسير في علم التفسير، تحقيق: عبد الرحمن المهدي، طباعة: مكتبه رشيديه، كوئٹه، سنة: ٢٠١٠م
6. البخاري، محمد بن إسماعيل، الجامع الصحيح
7. السجستاني، أبو داؤد سليمان بن الأشعث، سنن أبي داؤد
8. النسائي، أحمد بن شعيب، سنن النسائي الكبرى
9. السهيلي، أبو القاسم عبد الرحمن بن عبد الله الخثعمي، الروض الأنف، مطبع: جمالية مصر، سنة الطباعة: ١٩١٤م
10. سیوہاری، مولانا حفظ الرحمن، اسلام کا اقتصادی نظام، مکتبہ رحمانیہ، لاہور
11. مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ناشر: ادارۃ المعارف کراچی، سن طباعت: اکتوبر ۲۰۰۶ء
12. المرغيناني، برهان الدين أبو الحسن علي بن أبي بكر، الهداية شرح بداية المبتدي، ط: البشرى كراتشي، سنة الطباعة: ٢٠٢٢م
13. ابن نجيم الحنفي، زين الدين بن إبراهيم بن محمد، الأشباه والنظائر، اناشر: دار الكتب پشاور، سنة الطباعة: ٢٠٢٢م
14. الشيباني، الإمام محمد بن الحسنؒ، السير الكبير مع شرحه للإمام السرخسي، تحقيق: عبد العزيز أحمد

حوالہ جات:

1 سورة المائده (5: 51)

2 : العلامة ابن الجوزي، عبد الرحمن بن علي بن الجوزي، زاد المسير في علم التفسير، تحقيق: عبد الرحمن المهدي، طباعة: مكتبه رشيديه، كوئته، سنة:٢٠١٠م، ج:١، ص:٥٥٨

3 سورة آل عمران (3: 28)

4 العلامة ابن الجوزي، زاد المسير في علم التفسير، ج:١، ص:٢٤٢

5 سورة الأنفال (8: 72)

6 سورة التوبة (9: 16)

7 سورة الممتحنة (١:١)

8: البخاري، محمد بن إسماعيل، الجامع الصحيح، رقم الحديث: 57

9 :۔السجستاني، أبو داؤد سليمان بن الأشعث، سنن أبي داؤد، رقم الحديث: 4031

10 :النسائي، أحمد بن شعيب، سنن النسائي الكبرى، رقم الحديث: 11310

11 :۔سیوہاری، مولانا حفظ الرحمن، اسلام کا اقتصادی نظام،مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ص:152

12 :حوالہ بالا، ص: 153و 181

13 : سورة الممتحنة (٨،٩)

14 اسلام کا اقتصادی نظام، ص:180

15 : السهيلي، أبو القاسم عبد الرحمن بن عبد الله الخثعمي، الروض الأنف، مطبع: جمالية مصر، سنة الطباعة: ١٩١٤م، ج:٢، ص: ٢٤٣

16 :۔ مفتی محمد شفیع، معارف القرآن ، ناشر:ادارة المعارف کراچی، سن طباعت: اکتوبر 2006ء ــــہ، ج:٢، ص:٥٠

17: المناوي، التوقيف في مهمات التعريف، ص: ٣١٨

18:۔ معارف القرآن، ج:٢، ص: ٥١

19المرغينانى، برهان الدين أبو الحسن علي بن أبي بكر، الهداية شرح بداية المبتدي، ط: البشرى كراتشي، سنة الطباعة:٢٠٢٢م، ج:٢، ص:٨٥٨

20 ابن نجيم الحنفي، زين الدين بن إبراهيم بن محمد، الأشباه والنظائر، القاعدة: ما أبيح للضرورة يتقدر بقدرها، ناشر: دارالكتب پشاور، سنة الطباعة: ٢٠٢٢م، ص:١٣٤

21 : ابن الحاجب، عثمان بن عمر، المقدمة في التصريف المعروف بـ"الشافية"، مطبع: مكتبه حقانيه، پشاور، ص:١٣

22 :۔ الشافية، ص:١٤

[23] :۔ المناوی، العلامة عبدالرؤف بن المناوي، التوقيف على مهمات التعريف، طبعه: عالم الكتب قاهرة، سنة الطباعة: ١٩٩٠م، ص:٤٨

[24] معجم الوسيط، لجنة العلماء، ج:٢، ص:٦٣٨

[25] : الفاتحة:٤

[26] :الفيروز آبادي، مجد الدين أبو طاهر محمد بن يعقوب، القاموس المحيط، باب النون فصل العين، مطبعة: دار المأمون مصر، سنة: ١٩٣٨م، ج:٤، ص:٢٥٠

[27] :۔ ابن نجيم الحنفي، الأشباه والنظائر، ص:١٣٦

[28] الشيباني، الإمام محمد بن الحسنؒ، السير الكبير مع شرحه للإمام السرخسي، ج:٤، ص:١٤٢٢

[29] :۔ سابقاً، نفس الصفحة

[30] صحيح بخارى – رقم الحديث3062

[31] :۔ السير الكبير ، ج:٤، ص:١٤٢٢

[32] :۔ السير الكبير، ج:٤، ص:١٤٢٣

[33] السير الكبير، ج:٤، ص:١٥١٥